کتاب سے دوری - ایک قومی سانحہ

ڈاکٹر صفدر محمود

کتابوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، بعض کتابیں گزرنے اور سونگھنے کے لائق ہوتی ہیں کہ آپ انہیں لفظ بہ لفظ پڑھنے کی بجائے، ان سے تیزی سے گزر جاتے ہیں اور وہ کتابیں کہیں بھی آپ کو رکنے اور غور کرنے پر مجبور نہیں کرتیں، میں ہمیشہ ایسی کتابوں کے مصنفین کو ''دعا'' دیتا ہوں کہ فارغ ہوئے شتابی سے، نہ کہیں ذہن پر زور ڈالنا پڑا، نہ کسی فقرے کو انڈر لائن کرنا پڑا، کتاب بھی پڑھ لی اور جس طرح کے جاہل تھے، اسی طرح کے جاہل رہے، صرف آنکھیں استعمال ہوئیں اور آنکھیں ایسی نعمت ہیں، جنہیں بہر حال استعمال ہونا ہی ہوتا ہے، آپ ان سے کتاب پڑھ لیں، یا خالی فضاء میں گھورنے کا کام لے لیں یا اچانک کسی خوب صورت شے پر نظر پڑ جائے، تو چند لمحوں کے لئے لطف اندوز ہو لیں، دوسری قسم ان کتابوں کی ہوتی ہے جنہیں پڑھنے اور سمجھنے کے لئے زور لگانا پڑتا ہے، میں اگرچہ فلسفے میں دلچسپی رکھتا ہوں، لیکن اس کے باوجود علامہ اقبالؒ کے لیکچرز تیس چالیس فیصد سے زیادہ سمجھ نہیں آتے، ایک دفعہ میں نے اس کتاب کو اردو تراجم کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی تو محاورے کی زبان میں ''نانی'' یاد آ گئی، کیونکہ تراجم اصلی کتاب سے بھی زیادہ مشکل تھے، تب مجھ پر یہ راز کھلا کہ ترجمہ کرنے والے حضرات میری ہی طرح کے تھے اور بلا سمجھے ڈکشنری سامنے رکھ کر تراجم کرتے رہے، سچی بات یہ ہے کہ ان تراجم کو پڑھتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ علامہ اقبال کی روح ان تراجم کی وجہ سے قبر میں تڑپی ہوگی، کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو خود اپنی کتاب کا مفہوم ان تراجم سے نہ سمجھ سکتے، تیسری قسم ان کتابوں کی ہوتی ہے، جن کا تعلق آپ کے نہایت پسندیدہ موضوع سے ہوتا ہے، ایسی کتاب اگر معیاری ہو تو قاری پڑھنے میں لطف لیتا ہے اور اگر کتاب فکر انگیز، پُر مغز اور معلومات کا خزانہ ہو تو اس کے مطالعے سے فکر کو جلا اور ذہن کو روشنی ملتی ہے، ایسی کتابیں قارئین میں غور وفکر کی صلاحیت پیدا کرتی ہیں اور غور وفکر سے انسان میں تحمل، بردباری اور ظرف پیدا ہوتا ہے، آج کل ایسی کتابوں کے مطالعے کا قحط پڑ چکا ہے، کسی حد تک تو کتابوں کے مطالعے کو ٹی وی کی نذر لگ گئی ہے، لوگ پڑھنے پر دیکھنے کو ترجیح دینے

لگے ہیں، کیونکہ اس میں آسانی بہت ہے، دوسرا ''حادثہ'' یہ ہوا ہے کہ اخبارات میں مضامین اور کالموں کی بھرمار کے سبب پڑھنے کے لئے کافی مواد مل جاتا ہے، چنانچہ لوگ اخبار پڑھ کر ہی ''عالم وفاضل'' بننا پسند کرتے ہیں اور ان کے پاس حقیقی اور علمی کتابیں پڑھنے کا وقت ہی نہیں ہوتا، اس صورتحال کے سبب لوگوں کی ملکی وعالمی سیاست میں دلچسپی بہت بڑھ گئی ہے اور ہر کوئی اپنی اپنی ذات میں تجزیہ نگار بن گیا ہے، چنانچہ عام لوگوں کا علم سے رشتہ منقطع ہو گیا ہے، ہمارے بچپن میں ٹی وی ہوتا تھا، نہ بھاری بھرکم اخبارات، تو لوگ کتابیں پڑھتے اور خوب پڑھتے تھے، اس دور میں ناول، افسانہ، شاعری، طنز ومزاح اور تاریخی کہانیاں ہاتھوں ہاتھ بکتی تھیں اور طلبہ وطالبات جیب خرچ سے پیسے بچا کر کتابیں خریدا کرتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں طلبہ میں کتابیں پڑھنے کا مقابلہ جاری رہتا تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کالج کی کینٹین سے لے کر کلاس روموں تک کتابوں کا ذکر ہوتا تھا اور طلبہ ایک دوسرے پر رعب جمانے کے لئے پوچھا کرتے تھے، تم نے فلاں کتاب پڑھی ہے؟ تم نے فلاں مصنف پڑھا ہے؟ آج کل طلبہ کا محبوب مشغلہ ٹی وی پروگراموں پر تبادلہ خیال اور صرف درسی کتابیں پڑھنا ہے، درسی کتابیں پڑھے بغیر امتحان پاس نہیں ہوتا، اس لئے یہ ایک طرح کی ناگزیر مصیبت (Necessary Evil) ہے اور ٹی وی پروگرام دیکھنا، گپ شپ اور سوشل ہونے کے لئے ضروری ہے، آج سے کوئی تیس برس قبل مجھے نامور ناولسٹ نسیم حجازی صاحب نے بتایا تھا کہ وہ اپنے ناولوں کے ہر صفحے کی رائلٹی ہزاروں روپوں میں وصول کر چکے ہیں، انہوں نے اپنے قلم کی آمدنی سے قیمتی جائیداد بنانے کے ساتھ ساتھ نام بھی کمایا اور دام بھی کمایا، اگر وہ آج کے زمانے میں ناول نگاری کرتے تو امید ہے کہ فاقہ کشی کا شکار ہو کر لکھنے سے تائب ہو جاتے، 1980ء کی دہائی میں میری کرنل محمد خان، میجر ضمیر جعفری اور جنرل شفیق الرحمٰن سے ہر اتوار ملاقات ہوا کرتی تھی، ہم اس دور میں مل کر سہ ماہی اردو پنچ نکالتے تھے، جو نہایت معیاری طنز ومزاح کا رسالہ تھا اور ہر شمارہ اپنی ذات میں ایک زندہ رہنے والی کتاب ہوتا تھا، مجھے یاد ہے کہ کرنل محمد خان اور جنرل شفیق الرحمٰن کی کتابوں سے آمدنی اچھے خاصے بزنس مین کے برابر ہوا کرتی تھی جبکہ انہوں نے کتابوں کی تشہیر پر کبھی ایک روپیہ بھی صرف نہ کیا، آج کا دور پبلسٹی کا دور ہے، کتاب بیچنے کے لئے بھی اسی طرح پبلسٹی کا سہارا لینا پڑتا ہے جس طرح ٹوتھ پیسٹ اور رنگ گورا کرنے والی کریم کو فروخت کرنے کے لئے ''اشتہار بازی'' کرنی پڑتی ہے، ویسے پبلسٹی بڑا طاقتور ہتھیار اور اثر انگیز حربہ ہے، بعض اشتہاروں میں نقلی میاں بیوی کو بار بار دیکھ کر میں انہیں اصلی میاں بیوی سمجھنے لگا ہوں، آپ اسے میری سادہ لوحی بھی کہہ سکتے ہیں اور پبلسٹی کا کرشمہ بھی، کتاب کا نوحہ بلکہ مرثیہ لکھتے لکھتے میں قدرے دور نکل گیا ہوں اور اس دور دراز کے سفر میں مجھے امریکہ، انگلستان اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے مشاہدات یاد آ رہے ہیں، ہم نے بہت سی چیزیں اور عادتیں ترقی یافتہ ممالک سے لی ہیں، فرق یہ ہے کہ ہم نے ''چربہ سازی'' اور نقل مارنے کے دوران اصل چھوڑ دی ہے جبکہ انہوں نے اصل کو اسی طرح سینے سے لگا رکھا ہے، سادہ الفاظ میں اس بات کو اس طرح لکھا جا سکتا ہے کہ ہم نے نئی ایجادات کے جادو میں گم ہو کر کتاب سے رشتہ توڑ لیا

ہے جبکہ ترقی یافتہ قوموں نے یہ سانحہ نہیں ہونے دیا، امریکہ، انگلستان اور جاپان میں سفر کے دوران میں نے دیکھا کہ ہر شخص کے ہاتھ میں کتاب تھی، یا رسالہ اور وہ چند لمحے بھی ضائع کئے بغیر مطالعے میں محو تھا، پاکستان میں بسوں میں سفر کریں یا ٹرینوں میں، لوگ گپ شپ کرتے، سیاستدانوں کا رونا روتے یا تھوڑی بہت ہاتھا پائی کرتے پائے جاتے ہیں جبکہ لندن کی انڈر گراؤنڈ ٹرین میں آپ کو ہر شخص مطالعے میں مصروف ملے گا، جاپانی قوم تو اس میدان میں حیرت انگیز ترقی کر چکی ہے، فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے طلبہ وطالبات کے ہاتھوں میں کتابیں سجی ہوتی ہیں اور انہیں جہاں بھی سرخ بتی پر چند لمحے رکنا پڑتا ہے، وہ کتاب کھول لیتے ہیں، میں ان مناظر کا عینی شاہد ہوں، گویا جاپانی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے جبکہ ہم نصف عمر ہونے، لڑنے، جھگڑنے، غیبت کرنے اور گپیں مارنے میں صرف کر دیتے ہیں اور بقایا روزی کمانے میں، یہ دور تحقیق اور ریسرچ کا ہے اور ریسرچ کا تعلق مطالعے اور غور وفکر سے ہے، قومیں ریسرچ کے ذریعے آگے بڑھ رہی ہیں اور ہم ہر لمحہ پیچھے کی طرف لڑھک رہے ہیں، اس وقت امریکہ میں ہر سال سب سے زیادہ تحقیقی مضامین لکھے جاتے ہیں۔

ایک خبر کے مطابق چین اور ہندوستان اس میدان میں تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں اور توقع ہے کہ آئندہ چند برسوں میں چین جاپان کو پیچھے چھوڑ جائے گا جبکہ پاکستان نے بڑی محنت سے سرقے اور پی ایچ ڈی کرنے کے لئے دوسروں کے ریسرچ مقالوں سے مواد چوری کرنے میں نام پیدا کیا ہے۔

ہمارے زمانے میں پاکستان کی کسی یونیورسٹی سے بھی ایم اے کرنے کے بعد آپ دنیا کی کسی بھی یونیورسٹی میں داخلہ لے سکتے تھے، آج دنیا کی یونیورسٹیاں ہماری ڈگری تسلیم نہیں کرتیں، چنانچہ داخلے کے لئے ان کا امتحان پاس کرنا پڑتا ہے، جب ملک کی آبادی دس کروڑ تھی تو کتابوں کے ایڈیشن ہزاروں میں بکتے تھے، آج آبادی بیس کروڑ ہے لیکن کتابوں کے ایڈیشن سینکڑوں میں بکتے ہیں، کیونکہ ہم نے عملی طور پر زندگی سے کتاب کو طلاق دے دی ہے، میرا رونا فقط اتنا سا ہے کہ ہمیں بحیثیت قوم کتاب سے دوری بڑی مہنگی پڑی ہے، پڑھنے لکھنے کا ماحول، ادبی مجلسیں، مشاعرے، غور وفکر کے ادارے، نامور ادیبوں، لکھاریوں کے ساتھ شامیں اپنی جگہ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے زمانے کا استاد خود بھی کتابیں پڑھتا تھا اور طلبہ میں بھی کتابیں پڑھنے کا ذوق وشوق پیدا کرتا تھا، اس تربیت کے سبب کتاب زندگی کا حصہ بن جاتی تھی، میں آج بھی کتاب کے چند صفحات پڑھے بغیر سو نہیں سکتا، یہ استاد کی دین ہے، آج استاد صبح سے شام تک ٹیوشن پڑھاتا ہے، نہ خود پڑھتا ہے، نہ طلبہ کو درسی کتابوں کے علاوہ کچھ پڑھنے کی ترغیب دیتا ہے، یقین رکھئے، کتاب سے محبت کئے بغیر ہم کسی صورت ترقی نہیں کر سکتے، کتاب سے محبت میری تعلیم، سائنسی اور تکنیکی تحقیق اور علم وفضل ہی دنیا میں ترقی کرنے، نام اور دام کمانے کے یقینی ذرائع اور آسان راستے ہیں، افسوس ہم اس دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں، افسوس پر مزید افسوس کہ ہمیں احساس زیاں بھی نہیں.....!! کیا یہ ایک قومی سانحہ نہیں؟ ..... ☆☆